اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات عصر حاضر کے تناظر میں

فریدالدین طارق *

ریاست کا ادارہ انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔کیونکہ کسی معاشرت کی بقا کے لئے اس کی اجتماعی اقدار کا تحفظ، امن و سلامتی اور اس کا نظم و ضبط ایک نا گزیر ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورت ہمیشہ ادارہ ریاست نے پوری کی ہے گویا ریاست ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جسے آغاز انسانیت سے آج تک کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکا ہے۔ اسی طرح انسانی معاشرے کی اس تشکیل و تہذیب میں مذہب کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔دین اسلام ایک جامع ضابطہ حیات ہونے کے اعتبار سے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے، وہاں بطور خاص انسانی معاشرے کی اجتماعی تنظیم سے متعلق واضح رہنمائی اور اصول دیتا ہے۔انہیں اصول و معیّارات کی بنیاد پہ قائم ہونے والی ریاست کی امتیازی خصوصیات کیاہیں ایسی خصوصیات جواسے دوسری ریاستوں سے ممتاز اور مہمیز کرتی ہیں، اس مقالے کا بنیادی موضوع ہے۔اس پر مزید بحث سے قبل اس کے مفہوم اور اصطلاحی تصور پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ریاست:

لغوی اعتبار سے 'ریاست' عربی زبان کا لفظ ہے، یہ اردو اور فارسی میں بھی انہیں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں "ریاسۃ" کا مادہ "رائس" ہے ، اور اسی سے الرئیس ہے اور رائیس یا رائس کا اطلاق بلند مرتبہ یا اوّل المقام شخص پہ ہوتا ہے۔(1)

انگریزی زبان میں ریاست کے لیے لفظ Stateاستعمال ہوتا ہے۔ سٹیٹ یونانی زبان کے لفظ (Status) سے ماخوذ ہے۔(2) اس لفظ کے بنیادی مفہوم میں حالت قائمہ اور ماحول داخل ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی دوسرے متعدد معنٰی اس لفظ سے وابستہ ہیں۔البتہ ایک مخصوص سیاسی ہیت' حکومت یا منظم سیاسی شخصیت کے معنی میں لفظ سٹیٹ کا استعمال تاریخی طور پر سولہویں صدی عیسوی ء میں شروع ہوا ہے(3) اس سے پہلے "اسٹیٹ" کا مفہوم ادا کرنے کے لیے دوسرے الفاظ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یونانیوں کے ہاں بالعموم پولس (Polis) کا لفظ مستعمل رہا جس

*پی ایچ ڈی سکالر، فیکلٹی آف ہائر اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد، پاکستان

کے معنی شہر (City) کے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ ان کا تصور ریاست شہر پر مبنی اور محدود تھا۔ رومیوں نے ریاست کے مفہوم کو لفظ سیوسٹاس (Civitas) کے استعمال کے ذریعے قدرے وسعت دی ہے۔ رومیوں کے ہاں ایک دوسرا لفظ ری پبلیکا (Republica) بھی ملتا ہے جو ریاست کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے نہ صرف شہریت بلکہ (Republic) یعنی ایک قوم اور اس کے مفادات کی نشان دہی ہوتی ہے۔[4]

ریاست کی اصطلاحی تعریف:

ماہرین سیاسیات نے ریاست کی تعریف میں معاشرتی اور سیاسی نقطہ نظر کا لحاظ رکھنا ہے، کیونکہ ریاست ایک سیاسی ادارہ بھی ہے اور معاشرتی بھی۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس کے مطابق:

"ریاست انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم ہے جو مشترکہ مقاصد کے لیے مل جل کر کام کرے"[5]

مشہور مسلم مفکر ابوالنصر فارابی (872ء-950ء) نے ریاست کی تعریف کرتے ہوئے خصوصیات کے اعتبار سے اس کی دو اقسام بیان کی ہیں الریاسة الفاضلة اور الریاسة الجاهلیّة:

> ریاسة تمکن الافعال والسّنن والملکات الارادیّة التی شانها ان ینال بها ماهو فی الحقیقة سعادة، وهی الریاسة الفاضلة- والمدن والامم المنقاده لهذه الریاسة هی المدن والامم الفاضلة- والریاسة تمکن فی المدن الافعال والشّیم التی تنال بها ما هی مظنونةانها سعادات من غیر ان تکون کذالک وهی ریاسة الجاهلیّة[6]

(ایک وہ ریاست ہے جو ان عادات وافعال اور اخلاق واقدار کو فروغ دیتی ہے جن کے ذریعے حقیقی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے یہ ریاستِ فاضلہ کہلاتی ہے یعنی بہترین حکومت، اور وہ اقوام ومعاشرے جو اس ریاست کی تابع اور وفادار ہوں وہ بہترین معاشرے اور قومیں ہوتی ہیں۔ اور دوسری ریاست وہ ہے جو معاشرے میں ان عادات وافعال کو رائج فروغ دیتی ہے جو بظاہر تو خیالی اور وہمی مسرت کا ذریعہ تو ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ایسی نہیں ہوتیں یہ "ریاستِ جاہلیہ "یعنی جاہلی ریاست ہوتیں ہیں)

فارابی کی تحقیق کے مطابق ریاست اصل میں شہریوں کو حقیقی مسرت اور خوش حالی سے نہیں مل سکتی بلکہ روحانی اور اخلاقی معیار کی بلندی بھی لازمی شرط ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک وہی ریاست فاضلہ ہے جو شہریوں کو سہولیات زندگی باہم پہنچانے کے ساتھ ان کی اخلاقی تربیت ان کے معاشرتی رویوں کو بہتر سمت دینے کے لیے تعلیمی ذمہ داریاں بھی پوری کرے۔

شاہ ولی اللہؒ کسی ریاست کی آبادی کو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ وہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں ریاست کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام تمدن کے تابع اور پابندیوں میں باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں۔ اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں ایک اجتماعیت سمجھا جاتا ہے۔"(7)

سیّد مودودی قلم طراز ہیں کہ:

"ریاست وہ ہیّت سیاسی ہے جس کے زریعے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اسے قوّت قاہرہ اور قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں"(8)

مغربی ماہر سیاسیات وڈرو ولسن (Woodrow Wilson 1856-1924) کی رائے میں:

"ریاست سے مراد انسانوں کی وہ جمعیت ہے جو عموماً زمین کے ایک حصے پر موجود ہو، جس میں اکثریت کی رائے اقلیت پر فوقیت رکھتی ہو"(9)

پروفیسر گارنر (Garner 1871-1938) کے نزدیک:

"ریاست علم سیاسیات اور قانون کی رائے میں ایسے متعدد افراد کی جمعیت ہے جو مستقل طور پر ایک خاص خطہ زمین پر قابض ہوں، بیرونی دباؤ سے آزاد ہوں اور ان کی ایک منظم حکومت ہو جس کو باشندوں کی غالب اکثریت کی اطاعت حاصل ہو"(10)

مذکورہ بالا آراء سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ریاست کا اصطلاحی تصور ایک منظم اجتماعیت کا ہے۔ کسی خاص علاقے میں موجود انسانوں کا ایک ایسا معاشرہ جس کے اختیارات افراد کے ایک گروہ یعنی حکومت کے پاس ہوں۔ ایسی قیادت جو اصولوں، حکمت اور فضیلت پر مبنی ہو۔ ریاست کے چار بنیادی عناصر ہیں۔ علاقہ، آبادی حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔ ان اجزاء کے بغیر کسی اجتماع انسانی کو ریاست نہیں کہا جا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست کی امتیازی خصوصیات:

قرآن مجید و سیرت رسول کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلامی ریاست چند بنیادی اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ مدینہ میں رسول کریم ﷺ کی قائم کردہ پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل میں یہی بنیادی اصول بدرجہ اتم کارفرما تھے، اور دور حاضر یا مستقبل میں اسلامی ریاست کی تشکیل بھی انہی بنیادی اصول پر ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی ریاست ان اصولوں کو ان کی بنیادی روح کے مطابق انجام دے رہی ہو وہ ریاست مکمل طور پر اسلامی ریاست ہو گی چاہیے اس کے یا اس کے سربراہ

کے لیئے کوئی بھی اصطلاح استعمال ہو رہی ہو ان خصوصیات کے بغیر اسلامی ریاست کا تصور ممکن نہیں ہے۔ ذیل میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

1۔اسلامی ریاست نظریہ حاکمیت کے منفرد ممتاز تصور کی حامل:

اسلامی ریاست حاکمیت واقتدار اعلیٰ کا منصب اللہ کے لیئے خاص ہے۔حاکمیت الٰہی یہی وہ بنیادی اُصول ہے جس نے اس ریاست کو دنیا کی دوسری ریاستوں میں انفرادیت عطاء کی اور اس کے نظم ونسق کو ایک خاص نہج پر استوار کیا۔

از منہ قدیم سے اب تک ہر زمانے میں حاکمیت ریاست کا جزوِلازم رہی ہے۔تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حاکمیت مختلف ادوار میں مختلف ممالک میں مختلف اجسام میں جلوہ گر ہوتی رہی۔اور ایسا بھی ہوا کہ زمامِ حکومت کبھی تو بادشاہت و شہنشاہیت یا استبداد و آمریت کی شکل میں صرف ایک شخص کے ہاتھ میں رہی تو کبھی ایک مذہبی گروہ "پاپائیت" کے رُوپ میں مسند حاکمیت پر فائز ہوا۔ کبھی چند اشراف مقتدرِ اعلیٰ بن گئے اور کبھی جمہور کا اجتماعی وجود مستحق حاکمیت سمجھا گیا۔ غرضکہ احوال وظروف کے اعتبار سے حاکمیت کا نام اور اس کی ہیت تو بدلتی رہی لیکن اس کا وجود بہر حال تاریخ کے ہر دور میں ثابت ہے۔

اگر حاکمیت کے لغوی معنی اور علم سیاسیات کی رو سے اس کی تعریف اور خصوصیات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان یا انسانی ادارہ فی الحقیقت صفات حاکمیت سے متصف نہیں ہو سکتا۔یعنی کوئی انسان یا انسانی ادارہ ایسا نہیں ہو سکتا، جس کا ہر حکم علی الاطلاق قانون کا درجہ رکھتا ہو، اسے افرادِ ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں اور تمام باشندے اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہوں۔اس کے اختیاراتِ حکمرانی کو اس کے اپنے ارادے کے سوا کوئی خارجی چیز محدود کرنے والی نہ ہو۔افراد کو اس کے مقابلہ میں کوئی حق حاصل نہ ہو۔ وہ اپنی ذات میں قادر مطلق ہو جو کچھ کرے وہی چیز صحیح ہو، کوئی تابع اس کو غلط قرار نہ دے سکے۔اس لیئے ناگزیر ہے کہ اسے سبوح وقدوس اور منزہ عن الخطاء مانا جائے خواہ وہ ایسا ہو یا نہ ہو۔

اس لیے یہی بات زیادہ منطقی اور حقیقت ہے کہ مقتدرِ حقیقی اور حاکم و قانون ساز، انسان کے بجائے اللہ کو تسلیم کیا جائے۔صفات حاکمیت کا اطلاق وانطباق اس ذات اقدس کے لیئے، اس لیئے بھی سزاوار ہے کہ غیر محدود حاکمیت فی الواقع نہ تو کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کسی بادشاہ یا پارلیمنٹ یا قوم یا پارٹی کو ایک محدود دائرہ میں جو حاکمیت حاصل ہو وہ اسے بے عیب اور بے خطاء طریقے سے استعمال کر سکے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی اور زمان و مکان کی حدود سے متجاوز ہو ایک انسان یا ایک ادارہ کو تو کجا پوری نوع انسانی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاں شرک ہے وہاں اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روح گردانی کرنا اس کے حکم و قانون کے بجائے انسانوں کے بنائے قانون کو اپنی زندگی کا راستہ بنالینا بھی شرک ہے کیونکہ اور حکم کا اختیار خالق کائنات کی ذات اقدس کو ہی حاصل ہے

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ(11) کائنات کی ہر چیز اسی نے بنائی ہے اور حکم اور قانون دینے کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا یہ اصول اور انسان کی خلافت اور جانشینی کا تصور اسلام کے دستوری اور انتظامی قانون کی بنیاد ہے، اور اسلامی ریاست کا بنیادی اصول ہے کہ کائنات کا خالق و مالکِ مطلق اور مختارِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے حکم کرنے، اقتدار کو استعمال کرنے اور نظام و قانون دینے اور اچھے اور برے کا فیصلہ کرنے کا آخری، حتمی اور حقیقی اختیار بھی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، یہ وہ نظریہ ہے جس کو دور حاضر کی اصطلاح میں (Sovereignty) اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں، اسی طرح اقتدار اعلی کے اسلامی تصور کو سیّد مودودی نے حاکمیت الٰہیہ (Divine Sovereignty) کی اصطلاح میں بیان کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ، حاکمیت الٰہیہ یا اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں۔(12)

بیسویں صدی مصر کے مسلم مفکر مفسر قرآن سیّد قطب المصریؒ اسلامی سیاسی نظام کے ممیزات پر گفتگو کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ:

> "اسلام کے اجتماعی اور سیاسی و حکومتی نظم کسی بھی قدیم جدید نظام مختلف ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام کے بنیادی اصول دوسرے نظاموں سے یکسر مختلف ہیں۔ اس کی بنیاد اس اصول پہ ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے اور وہی انسانیت کے لیے شریعت و قانون وضع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک یہی وہ بنیاد جس پہ اسلام کے پورے اجتماعی نظام اور ریاست و سیاست کے نظام کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ جبکہ دوسرے سارے نظام اس اصول پہ مبنی ہیں کہ حاکمیت انسان کی ہے اور وہ اپنے لیے قانون اور شریعت وضع کرنے کا مجاز ہے۔ یہ دونوں اصول ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے اسی لیے اسلامی نظام دوسرے نظام اپنے مختلف و ممتاز ہے" (13)

قرآن مجید کے مطابق حکومت اور سلطنت کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اقتدار کے دائرے بھی پیغمبروں کو جو اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کے ہی اقتدار کا عطیہ ہوتا ہے۔(14)

امام محمد غزالی نے سیاست و سلطنت کے متعلق جو مشہور کتاب لکھی ہے اس میں وہ سب سے پہلے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ عالمگیر حکمرانی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے۔ اس کے اقتدار اور قانون کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا بنیادی قانون ہے۔(15)

سید مودودیؒ نے اپنی مشہور تصنیف خلافت وملوکیت اور اسلامی ریاست میں اس موضع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بلکہ اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح کی جگہ انہوں نے حاکیمت الٰہیہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ وہ انسانوں پر انسانوں کے اقتدار اور حاکمیت کے قائل نہیں ان کے نزدیک اللہ کی مخلوق پر مخلوق کو حکم چلانے کا حق نہیں ہے یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ اس بنا پہ حاصل ہے کہ وہی خالق حقیقی ہے۔ الالہ الخلق والامر [16] خبر دار خلق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کے لیے ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے بھی ریاست و حکومت میں اقتدار اور حاکمیت کا ماخذ عوام نہیں بلکہ ذات خداوند تعالیٰ ہے۔ بلکہ انہوں نے تو جمہوریت کے نظریہ عوامی اقتدار اعلیٰ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اسی غیر منطقی قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیلی کا یہاں موقع نہیں۔ انہوں نے اپنے لیکچر "مسلم" ثقافت کی روح" (Spirit of Muslim Culture) میں کہا ہے:

"اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی بھی ایک رہ عنصر نبھانے کا عملی طریقہ ہے۔ اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ تحت وتاج کے لیے اور چونکہ ذات باری تعالیٰ زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت شعاری کا در حقیقت مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت کی اطاعت شعاری اختیار کرتا ہے۔ [17]

قرآن مجید کے مطابق حکومت اور سلطنت کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اقتدار کے دائرے بھی پیغمبروں کو جو اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کے ہی اقتدار کا عطیہ ہوتا ہے۔ [18] یہی وجہ ہے کہ مسلم علماء مفکرین اجتماعیات امامت وخلاف (حکومت وسلطنت) کے ذکر میں دستوری ضابطوں کے بیان سے پہلے خدا کے اقتدار اعلیٰ وحاکمیت کا ذکر تے ہیں۔ امام راغب مفردات کے شروع میں خداوند تعالیٰ کو قوانین سر چشمہ قرار دیتے ہیں۔ [19]

امام ابوالحسن الماوردی اپنی سیاسی تصنیف احکام السلطانیہ کو اللہ تعالیٰ جلالت اور منزلت عامہ کہ خصوصی ذکر سے شروع کرتے ہیں۔ [20] امام محمد غزالی نے سیاست وسلطنت کے متعلق جو مشہور کتاب لکھی ہے اس میں وہ سب سے پہلے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ عالمگیر حکمرانی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے۔ اس کے اقتدار اور قانون کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا بنیادی قانون ہے۔ [21] امام ابن تیمیہ اپنی کتاب السیاسۃ الشرعیہ کی ابتداء میں یہی اللہ تعالیٰ حقیقی حاکمیت اقتدار اور کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر حکومت کے سیاسی اداروں پر بحث کرتے ہیں۔ [22]

سید مودودیؒ نے اپنی مشہور تصنیف خلافت وملوکیت اور اسلامی ریاست میں اس موضع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بلکہ اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح کی جگہ انہوں نے حاکیمت الٰہیہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ وہ انسانوں پر انسانوں کے اقتدار

اور حاکمیت کے قائل نہیں ان کے نزدیک اللہ کی مخلوق پر مخلوق کو حکم چلانے کا حق نہیں ہے یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔اس بنا پہ حاصل ہے کہ وہی خالق حقیقی ہے۔**أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ**[23] "خبر دار خلق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کے لیے ہے"

حکیم الامت علامہ اقبال نے بھی ریاست و حکومت میں اقتدار اور حاکمیت کا ماخذ عوام نہیں بلکہ ذات خداوند تعالیٰ ہے۔ بلکہ انہوں نے تو جمہوریت کے نظریہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اسے غیر منطقی قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیلی کا یہاں موقع نہیں۔انہوں نے اپنے لیکچر "مسلم ثقافت کی روح" (Spirit of Muslim Culture) میں کہا ہے کہ :"اسلام بحیثیت ایک نظام ،سیاست کے اصولِ توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی بھی ایک اہم ۔اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ تخت وتاج کے لیے اور چونکہ ذات باری تعالیٰ زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے۔اس لیے اس کی اطاعت شعاری کا در حقیقت مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت کی اطاعت شعاری اختیار کرتا ہے۔[۲۴]

اسی بنا پر علامہ اپنی اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ حاکمیت کا حق صرف خدا کو ہی ہے:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بہتان آزری[25]

مختصر یہ کہ حاکمیت الٰہی کا وہ اُصول جو ریاست اسلامی کا سنگ بنیاد ہے اور اس کے تمام ادارات کا جامع اور انھیں باہم مربوط کرنے والا ہے، در حقیقت اپنی تمام جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ایک مکمل اور جامع نظریہ ہے، جو اسلامی ریاست کو دوسری ریاستوں سے منفرد اور ممتاز کرتا ہے۔

2۔ایک نظریاتی، قانون کی پابند و پاسدار ریاست:

اسلامی ریاست کی بنیادی انفرادیت اور خصوصیت ہے کہ یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے جو رنگ ونسل ،زبان و وطن، جغرافیائی یا قبائلی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول اور اسلامی نظریہ حیات کی بنیاد پہ قائم ہوتی ہے اور اسی نظریئے کی علمبردار اس کی تابع و وفادار ہوتی ہے۔ آزادانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی سیاسی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی خلافت کی حیثیت کو قبول کرتے ہوئے اس کے قانون کو نافذ کرنے کی ذمہ دار اور ان ہدایات و حکام کے مطابق کام کرنے کی پابند ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے عطاء کیئے ہیں یہ ریاست ایک نظریہ اور اصول کی داعی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ :

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۶)

(یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا ر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (۲۷)

(ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست و حکومت کا مقصد اقامت دین ہے۔ کتاب و سنت کے مطابق انصاف و مساوات قائم کرنا، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے اور ان اوصاف سے مزیّن ایک مثالی معاشرہ کا قیام اور حفاظت ہے۔ یہ ریاست ایک مقصدی ریاست ہے اور اس کی ذمہ داری اس اصول کی سربلندی ہے جس کے لیئے یہ قائم ہوتی ہے۔ اور اس اصول کی داعی ہے جو تمام انسانوں کے لیئے یکساں ہے۔ زمین کے کسی بھی گوشے میں نسل انسانی کے جو افراد بھی اس کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اور کسی امتیاز و تعصب کے بغیر مساوی حقوق کے ساتھ اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللهم ربنا و رب كل شئ انا شهيدٌ ان العباد كلهم أخوة(28)

قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں حاکم و محکوم، صاحب امر اور مامور میں اسلامی قانون کی تنفیذ کے حوالے سے کوئی فرق نہیں کرتا قانون سب کے لیئے ایک ہے اور سب پہ یکساں نافذ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ معزز قبیلہ بنو خزوم کی ایک عورت کو چوری کی پاداش میں قطع ید کی سزاء پر عمل درآمد ہونے والا تھا کہ کچھ صحابہ نے سزا میں نرمی کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے بہت واضح انداز میں فرمایا کہ:

والذى نفس محمد بيده لو سرقت فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم لقطعت يدها (29)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمد ﷺ کی لڑکی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

یہ ہے اسلامی ریاست کا خاص معیاری قانون اور معاشرتی مساوات کی عملی تصویر جو اسلامی نظام کے علاوہ عملی طور پر کسی بھی سیاسی نظام میں موجود نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریت کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ ارباب اختیار کو لوگوں کے معتمد ہوں یعنی ریاستی ذمہ داریوں پر اہل اور موزوں افراد کا تقرر کیا جانا چاہیے جن پر لوگوں کا اعتماد بھی ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

خِيَارُ اَءِ تِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكم وَشِرَارُ اَءِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ(۳۰)

(تمہارے بہترین امام و قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں، تم اُن کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تمہیں دعائیں دیتے ہوں۔ تم میں بدترین رہنماء وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہیں ناپسند کرتے ہوں وہ تم پر لعنت بھجتے ہوں اور تم اُن پر لعنت بھجتے ہوں)

اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لیئے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں قائم بہت سے ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی۔اس طرح کسی قوم کے ساتھ کشمکش کے بجائے باہم برادرانہ تعاون ممکن ہوگا۔اور وہ کسی وقت بھی متفق ہو کر عالمگیر وفاق قائم کر سکیں گیں۔

3۔ نظریہ اطاعت و وفاداری:

اسلام میں قانون حکومت و ریاست پہ فوقیت رکھتا ہے۔ حکومت خدا کے قانون کی پابند اور تابع ہوتی ہے۔ ریاست مطلق العنان نہیں بلکہ یہ اپنے اختیارات اللہ تعالیٰ کے قانون سے حاصل کرتی ہے اور اس اصول اطاعت و وفاداری پہ کاربندر کھتی ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہر اطاعت سے بالاتر ہے ہر شخص کی بنیادی وفاداری شریعت سے ہے اور ریاست کی وفاداری اس وقت تک لازمی ہے جب تک وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی وفادار ہے۔اور اگر وہ اس بنیادی نظریئے سے انحراف کرئے تو مسلمان ہر گز اس کی اطاعت کے پابند نہیں ہیں۔اس اصول کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا(۳۱)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اس کے رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

سید مودودی آیت کی تشریح کرتے ہیں کہ:

- اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے اور مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مرکز و محور خدا اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرادری وفاداری ہے۔ دوسری تمام اطاعتیں و وفاداریاں اس اصل اصول اطاعت کے تابع ہیں۔ اسی حقیقت حضور ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا:

لا طاعة المخلوق فی معصية الخالق (۳۲)

(خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں)

- مسلمانوں کے اولامر اصحاب اختیار و اقتدار جو ریاست اور اس کے اداروں اختیارات اور پالیسی Implementation کے ذمہ دار ہوں وہ مسلمانوں میں سے ہی ہونے چاہیں۔ (اولی الامر منکم) کا اشارہ اسی حقیقت کی جانب ہے۔ اس لیئے اسلامی ریاست کے کلیدی مناسب مسلمانوں کے پاس ہی ہونے چاہیں۔
- اولی الامر کی اطاعت مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ ریاست و حکومت کا انتظامی سسٹم بہتر انداز میں چلے اور بے وجہ اس میں خلل واقع نہ ہو۔ لیکن اوالامر کی یہ اطاعت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہو گی۔ ان کے کسی ایسے حکم کی اطاعت نہیں کی جاسکتی جو نظریہ و قانون شریعت کے خلاف ہو ۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ(۳۳)

(مسلمانوں پہ لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند یا ناپسند ہو یہاں تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب ایسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے)

یہ اصولِ اطاعت اس حقیقت کو واضع کر دیتا ہے کہ اسلامی ریاست ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے۔اس کا مقصد ایک نظریے کی سربلندی اور قانون کی بالادستی، اقامت دین ہے۔ اس میں اطاعت بھی ایک اصول کی اطاعت ہے، شخصیت اور اقتدار کی نہیں ہے۔

4۔ فرد اور ریاست کے درمیان توازن:

فرد اور ریاست کے درمیان اس نظام میں ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ ریاست مختار مطلق اور ہمہ گیر اقتدار کی مالک بن کر فرد کو اپنا بے بس مملوک بنا سکتی ہے اور نہ فرد بے قید آزادی پا کر خود سر اور اجتماعی مفاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ اس میں ایک طرف افراد کو بنیادی حقوق دے کر اور حکومت کو بالاتر قانون اور شوریٰ کا پابند بنا کر انفرادی شخصیت کے لیئے نشو نما کے پُورے مواقع فراہم کیئے گئے ہیں اور اقتدار کی بے جا مداخلت سے اس کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ مگر دوسری طرف فرد کو بھی ضابطہ اخلاق میں کسا گیا ہے اور اس پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق کام کرنے والی حکومت کی دل سے اطاعت کرے، بھلائی میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کرے، اس کے نظام میں خلل ڈالنے سے باز رہے، اور اس کی حفاظت کے لیئے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

5۔ مناصب حکومت؛اہلیت اور بطور امانت و زمہ داری کا تصور:

یہ بھی حقیقت ہے کہ ریاست کی کارکردگی اور اس کی نشو نماء اس کی کامیابی و ناکامی کا دار مدار اس کے ذمہ داران و کارکنان پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سربراہ ریاست کی انتہائی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ریاست کے انتظامی مناصب پر ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جو ریاست کے مقصد وجود سے آشناء ہوں، اہل اور دیانتدار ہوں، اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک استعمال کرتے ہوں اپنے عہدوں سے انصاف کر سکیں۔

اسلامی ریاست و حکومت کے سربراہ، وزراء حکومت، اراکین شوریٰ اور حکام کے انتخاب میں جن امور کو پیش نظر رہنا چاہیے اس حوالے سے قرآن وسنت میں تفصیلاً ہدایات موجود ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ [۳۴]

(اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (یعنی اعتماد کی ذمہ داری) اہل امانت (یعنی امین لوگوں) کے سپرد کرو۔)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ [۳۵]

(بے شک اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)۔

رسول ﷺ نے بحیثیت حکمران اس بات پر پوری توجہ دی ہے کہ حکومت کے عہدوں، مناصب پر ایسے خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا جو اسلام کی روح سے واقف دین کے مزاج شناس، صبر و قناعت کے پیکر، تجربہ کار اور تربیت یافتہ تھے۔

حکام ریاست کو آپ ﷺ نے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ حکومت کے عہدے اور مناصب حصول عزت، جاہ و کسبِ دنیا کے ذرائع نہیں ہیں بلکہ ایک امانت اور ذمہ داری ہے۔ اس لیئے اس کے حصول کی جدوجہد اور خواہش غیر مستحسن ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ ﷺ نے ان مناصب کا رشتہ اخلاق سے جوڑا اور فرمایا کہ:

إِنَّا وَاللَّهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ[۳۶]

(خدا کی قسم ہم کسی شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جو اس کا حریص ہو)

یہ الفاظ اسلامی ریاست کی حقیقی روح کی ترجمانی اور اس کی بنیادی پالیسی کی وضاحت کر رہے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اسلامی ریاست میں انجام دی جانے والی تمام ذمہ داریوں اور جملہ مناصب کے اصل الاصول کو ان الفاظ میں واضع فرمایا ہے:

"اسلام میں ہر طرح کی ولایت، ہر نوع کی حکمرانی، ہر قسم کا منصب اور ہر طرح کی ذمہ داری کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر فرض کو اس مقصد کے لیے انجام دیا جائے کہ زندگی کی ہر روش اللہ کے لئے ہو جائے اور ہر عمل کا مقصد اللہ کے قانون کی سربلندی ہو، اور تمام اختیارات کا مقصود امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو"[37]

6۔ شورائی ریاست:

اسلامی ریاست کی اہم انفرادیت یہ ہے کہ یہ ایک شورائی ریاست ہے اس میں تمام انسان برابر ہیں۔ رنگ و نسل، حسب و نسب کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ وحدت آدم اور مساوات و حریت اس کی بنیادی اصول ہیں۔ ارباب امر تمام امور سلطنت باہم مشورے سے طے کرتے ہیں اور نظام حکومت کو جمہور کی مرضی سے چلاتے ہیں۔ تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی ذمہ داریاں معین ہیں۔ حکومت قانون شریعت کے مطابق ان حقوق کی ادائیگی کی پابند و ذمہ دار ہے۔ اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارہ کرتا ہے اور نہ ہی شہنشاہیت کو، اس کا مزاج خاص جمہوری اور شورائی ہے۔

شوریٰ اور شورائیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا معاملہ جس سے متعلق شریعت میں کوئی واضح حکم نہ ہو اس سے متعلق ماہرین کی رائے لینا اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان اراء میں سے بہتر اور مفید رائے پر قوت دلیل کے اعتبار سے اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتبار کرتے ہوئے فیصلہ اور عمل درآمد کرنا۔

اسلامی نظام سیاست میں مشورے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک مکمل سورۃ نمبر کا نام شوریٰ رکھا گیا ہے۔ اسلامی نظام حکومت کے اس اہم ادارے شوریٰ کے متعلق قرآن حکیم میں دو آیات براہ راست شوریٰ کے عام معنی کے ساتھ نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے پہلی سورۃ شوریٰ جو مکی سورۃ ہے کی آیت۔ یہ ہجرت اور اسلامی ریاست کے قیام سے قبل نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾(۳۸)

"جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپ کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

اس آیت میں مومنین کی بنیادی صفات و خصوصیات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ان کی تعریف فرمائی ہے کہ ان کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوریٰ اہل ایمان کے خصائص میں سے ہے جس سے ان کو مزین ہونا چاہیے۔ ہر دو حالتوں میں جبکہ مکہ مکرمہ میں اسلامی اجتماعیت تشکیلی مراحل میں تھی مگر ریاست کے بغیر یا جب اس اجتماعیت کی بنیاد پر مدینہ طیبہ میں ریاست کا قیام عمل میں آرہا تھا۔

رسول ﷺ نے بحیثیت رہنماء و قائد اور سربراہ ریاست کے ان کے بہترین رویئے اور نرم خوئی کا خاص طور پر تذکرہ فرماتے ہوئے واضح فرمایا جو اسلامی اجتماعیت کی تشکیل و استحکام میں آپ ﷺ کا یہ وصف بنیادی محرک ثابت ہوا ہے۔ آیت میں شوریٰ کو رحمت، نرمی کی صفات، سختی و ترش روی سے اجتناب، اجتماعت کی لغزشوں پر عفو و درگزر کا رویہ، استغفار اور دعا کے ساتھ جوڑ دیا ہے اس لیئے اسلامی نظام سیاست درجہ بالا صفات شوریٰ کا بنیادی اسلوب ہے۔ اہل شوریٰ اور سربراہ مملکت کا ان صفات سے مزین ہونا جو ان کو معاشرے کی اکثریت کے ہاں محبوب و معتمد بنا دیتی ہیں کیونکہ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ اسے عوام کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔

جلیل القدر صحابی حضرت ابو ھریرۃؓ جو ہمیشہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں اپنے اور علوم شریعت و نبوت کو براہ راست سرچشمہ علم ہدایت سے حاصل کیا، فرماتے ہیں کہ:

ما رأيت أحدا قط كان أكثر مشورة لأصحابه من رسول الله صلى الله عليه وسلم(۳۹)

ایک دوسری حدیث اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں، تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں"

اس لیے علماء قانون نے یہ کہا ہے کہ شوریٰ اسلامی نظام کی روح اور اس کا ایک لازمی جز ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم قانون دان عبدالحق بن غالب ابن عطیہ لکھتے ہیں:

"الشورى من قواعد الشريعة وعزائم الأحكام ومن لا يستشير أهل العلم والدين فعزله واجب لا اختلاف فيه" (40)

نبی کریم ﷺ نے جن معاملات میں صحابہؓ سے مشورے لیتے ان امور کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ان میں جن کی دفاعی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی ہر قسم کے معاملات شامل ہیں۔رسول ﷺ کو براہ راست وحی الہی کی راہنمائی حاصل تھی وہ اگر مشورہ نہ بھی کرتے اس اعتبار سے انہیں مشورہ چنداں ضرورت نہ تھی لیکن وہ مثالی معاشرہ کی تشکیل فرما رہے تھے ان کا ایک ایک عمل قیامت تک کے لیئے انسانیت رہنمائی کا سرچشمہ بنتا تھا۔ مسلمانوں کے اجتماعی وانفرادی قانون کی عملی بنیادیں تشکیل پا رہی تھیں۔اس لیئے آپ ﷺ نے سربراہ مملکت کی حیثیت سے جہاں دوسری اجتماعی اصولوں کی عملی وضاحت فرمائی وہاں ایک مثالی شوریٰ کے تمام تقاضوں کو پورا فرمایا۔آپ ﷺ مشورہ کرتے وقت شرکاء کو اظہار رائے کی پوری آزادی دیتے اور تند و تعبیر کی اجازت بھی فرماتے۔آپ ﷺ شوریٰ کو اس حد تک اہمیت دیتے تھے کہ اس کے فیصلہ کے نفاذ میں اپنی ذاتی خواہش تک کو بھی نظر انداز فرما دیتے تھے۔

یہ وجہ ہے کہ رسول ﷺ حیات طیبہ میں بالخصوص مدنی زندگی میں شوریٰ کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں کیونکہ اس دوران ایک نظام ریاست تشکیل پا رہا تھا جو قیامت تک انسانیت کے لیے راہنمائی کا سرچشمہ بنتا تھا۔اسلامی ریاست کے عہد نبوی میں اکثر معاملات کو شوریٰ کے ذریعے طے کرنے کی روایت تاریخ کے صفات میں جابجا محفوظ ہے۔شوریٰ کے سلسلے میں رسول ﷺ کا تعامل یہ تھا کہ جب ایک مرتبہ مشاورت کے نتیجے میں کوئی فیصلہ ہو جاتا تو پھر اس کی پابندی فرماتے تھے۔

نبی ﷺ کے بعد صحابہ کرام خلفاء الرشدین کا دور آیا، ان کے سامنے بھی اسوہ حسنہ اور واضح قرآنی ہدایات تھیں کہ وہ کس اساس پر ان سیاسی نظام قائم کریں۔اس میں قانون سازی کا طریقہ کیا ہو؟ چنانچہ خلفاء الرشدین کے اپنے انتخاب سے لے کر ریاست و حکومت کے تمام معاملات میں شوریٰ کے نظام کو تسلسل اور اہتمام کے ساتھ قائم رکھا گیا۔
حضرت ابو موسیٰ الاشعری فرماتے ہیں:

ان الامارہ ما تؤمر فیھا و انا الملک ما غلب علیہ باسیف (۴۱)

"امارۃ یعنی خلاف وہ ہے جس کو قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے ذریعے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔"

خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں فرمایا تھا کہ:

فاذا رأيتموني قد استقمت فاتبعوني وإن زغت فقوموني (42)

"جب تم مجھے دیکھو کہ میں سیدھے راستے پر چل رہا ہوں تو میری اتباع کرو اور اگر میں راہ راست سے ہٹ جاؤں تو مجھے ٹھیک کر دو۔"

یہی طریقہ حضرت عمرؓ کا رہا، آپؓ کا فرمان مشہور ہے کہ:

لا خلافة الاعن مشورة (43)

عہد خلافت میں شوریٰ کے اہم اجلاسوں کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ چاروں خلفاء کے انتخاب میں مشاورت کی مختلف صورتوں کے علاوہ، شوریٰ برائے جیش اسامہ، شوریٰ برائے منکرین زکوٰۃ، حضرت عمرؓ فاروق کی شوریٰ برائے معائنہ بیت المقدس ھ وغیرہ، اس سلسلہ کی چند مثالیں ہیں (44)

اسلامی نظام حکومت کے اس بنیادی اصول کا طرہ امتیاز ہے کہ اس میں ہر ایک کو اختلاف و تنقیدہ کا حق ہے لیکن یہ تہذیبی دائرے میں اور اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔ اور جب معاملات وامور کے بارے میں بحث وتمحیث کے بعد باہمی مشاورت سے اجتماعی رائے کی بنیاد پر فیصلہ ہو جائے تو پھر اس فیصلے کی تنفیذ (Implementation) کے دوران کسی کو تنقید و اختلاف اور اس عمل درآمد میں خلل کا حق نہیں ہے۔ بلکہ شورایت کی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ جب اجتماعی فیصلہ آجائے تو اس فیصلہ کے حوالے سے مختلف رائے رکھنے والے اس اجتماعیت کے فیصلہ کو نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ دل و جان سے اس پر عمل درآمد میں سب سے پہلے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں جنگ ارتداد کے حوالے سے ابتداء میں اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مرتدین سے جنگ نہ کی جائے بلکہ صلح کر لی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے ساتھ کچھ اصحاب کی رائے یہ تھی کہ مرتدین سے جنگ کی جائے اور ان سے کوئی نرمی نہ برتی جائے جب اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوتی تو بیشتر اصحاب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے پر مطمئن ہو گئے اور اس طرح اکثریت اس رائے میں آپؓ کے ساتھ ہو گئی، جب آپؓ نے اس رائے کے مطابق فیصلہ فرمالیا تو جو افراد فیصلے سے قبل اس رائے کے مخالفین تھے انھوں نے سب سے پہلے اس فیصلے پر عمل کیا، بعد ازاں اس فیصلہ کے نفاذ کے لیے اپنی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔ یہ صرف ایک مثال نہیں بلکہ عہد نبوی ﷺ اور خلاف راشدہ میں شورایت کی بنیادی روح یہی تھی۔ اس لیئے اسلامی نظام حکومت و خلافت جب قائم ہو گا، یہ اصولِ شورایت اپنی اسی روح کے ساتھ ہی کامیاب نظام کی بنیاد بن سکے گا۔

عہد نبوی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت مبارکہ کا یہی اصول شوریٰ آج کی جمہورت (Democracy) کی ناکامیوں کا موثر معالج (Effective remedy) ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ جمہوری ریاستیں اصول

مشاورت کے نفاذ میں بری طرح ناکام رہی ہیں اور اس ناکامی کا اولین سبب یہ ہے کہ ان ریاستوں میں افرادِ اقلیت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ مشاورت کا مرحلہ ختم ہونے کے بعد اور کسی رائے کے حق میں اکثریت کا فیصلہ دے دینے کے بعد بھی اپنے اختلاف کا اظہار اور تنقید جاری رکھیں اور دوران تنفیذ (Implementation) اس فیصلے کے قابل نفاذ ہونے کو مشکوک بناتے رہیں اور اس کی اہمیت کم کرتے رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مروجہ جمہوریت میں مناصب حکومت اکثیرت کے سپرد کیئے تو جاتے ہیں لیکن اکثریت کی آراء اور حکم ہمیشہ شک و شبہ اور تضحیک کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ جمہوریت کی اساس مشاورت اور تعاون ہے مگر اس اصول کی غلط تطبیق کی بناء پر جمہوریت میں محکوم حاکموں پر مسلط ہو جاتے ہیں اور دونوں طبقوں میں ربط اور تعاون ختم ہو جاتا ہے جبکہ آمریت کی بنیاد اطاعت اور حاکم و محکوم کے درمیان اعتماد کی فضاء پیدا ہونا ہے، مگر اس کی بھی غلط تطبیق کی بناء پر حاکم محکومین پر مسلط ہو جاتے ہیں اور دونوں کے درمیان اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ گویا کہ یہ نظام ہا افراط و تفریط کا شکا ہیں، جب کہ اسلامی نظام ان تمام نقائص سے پاک ہے۔ اسلام نے ہر چیز کی حدود مقرر کی ہیں۔ اختلاف و تنقید کا حق بھی ہے لیکن تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ اصلاح کے لیئے بھی دائرہ کار میں رہتے ہوئے، اسلامی نظام کی اساس مشورے کے وقت شوریٰ اور تعاون ہے۔ اور تنقید (Implementation) کے وقت سمع و اطاعت اور اعتماد باہمی ہے۔ اسلامی قواعد، سیاست میں یہ گنجائش نہیں کہ ایک فریق دوسرے پر مسلط ہو جائے۔

اسلام نے شوریٰ کی باقاعدہ ایک شکل نہیں بتائی بلکہ اس کا تعین ہر زمانے علاقائی حالات کے مطابق کیا جاتا یہ اسلامی شریعت خصوصیت ہے جو اس کی خاصیت اور عالمگیریت کو واضع کرتی ہے کہ یہ قانون ہر زمانے میں دنیا کے کسی بھی علاقے میں قابل عمل ہے۔ اسلام نے بنیادی اصول و معیارات مقرر کیئے ہیں جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس کی شکل جو بھی ہو اس کی روح یہ ہے کہ مشورہ ان سے کیا جائے جو اہل حل و عقد ہوں۔ فہم و بصیرت رکھتے ہوں اور لوگوں کا ان پہ اعتماد بھی ہو۔ مسلمانوں کے تمام اجتماعی امور باہم مشورے سے طے ہوں اور کوئی شخص یا طبقہ اپنی من مانی نہ کرے۔ کوئی اجتماعی کام جتنے لوگوں سے متعلق ہو مشورے میں ان سب کو شامل کیا جائے یا ان کے نمائندوں کو شریک کیا جائے۔ اور مشورہ آزادانہ بے لاگ اور مخلصانہ ہو۔ اگر یہ چیزیں ہوں تو شوریٰ کا حق اداء ہو جاتا ہے، چاہیئے اس کی شکل کسی وقت کوئی بھی تجویز کی جائے۔

اسلامی ریاست کے شورائی پہلو اس کی خصوصیت اور انفرادیت ہے۔ عہد نبوی اور خلفاء راشدین کے عہد میں شوریٰ سمیت ریاست کے تمام بنیادی اصولوں کو اس کی روح کے مطابق قائم کیا جو عصر حاضر میں بھی اسلامی ریاست کی اساس ہے۔

6۔ حقیقی فلاحی مملکت:

اسلامی ریاست کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک فلاحی اور خادم ریاست ہے۔ اسلام کی نگاہ میں حکومت کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ امن وامان قائم کرے اور ملکی دفاع کی خدمات انجام دے، بلکہ اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی اور فطری مساوات قائم کرے، ان تمام رکاوٹوں کو دور کرے جو سعی وجہد اور مساوات کی راہ میں حائل ہیں اور اپنے تمام شہریوں کی، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، بنیادی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دے۔ اگر اسلامی ریاست کی حدود میں کہیں بھی فقر وفاقہ، غربت وافلاس اور ظلم وجور ہے تو اس کا قلع قمع کرے اور اپنی تمام قوتیں ان انسانی مسائل کو حل کرنے کے لیئے وقف کر دے۔

معاشی زندگی کے بارے میں اسلام نے یہ اصولی ہدایت دی ہے کہ اسلامی معاشرے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ افلاس اور غربت کو مٹانے میں اس طرح سرگرم رہیں۔ اسلام ہر فرد میں معاشی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور اسے دعوت دیتا ہے کہ اپنی محنت سے روزی حاصل کرے۔

محنت کی روزی اور پاک اور طیب کمائی پر قرآن وحدیث میں غیر معمولی زور دیا گیا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کا حق دیا ہے اور انفرادی سعی وجہد کے دروازے سب کے لیئے کھول دیئے ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ تصور بھی پیدا کیا ہے کہ یہ ملکیت ایک امانت کی طرح ہے جسے جائز اور صحیح راستوں ہی پر صرف کرنے کا اختیار ہے۔ اگر غلط اور حرام طریقوں سے خرچ کیا جائے گا تو امانت میں خیانت ہوگی۔ فرد کا اختیار محدود ہے غیر محدود نہیں۔ نیز ہر شخص کی دولت میں اس کے اپنے حق کے علاوہ خدا اور اس کے بندوں کا حق بھی ہے۔ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ریاست اور دوسرے انسانوں کے حقوق کو بھی ادا کرے اور اپنے وسائل کو ان ضروتوں کو پورا کرنے کے لیئے صرف کرے جو دولت کو جمع کرتے ہیں اور انسانی بہبود کے لیئے اسے خرچ نہیں کرتے یا اس میں دوسروں کے حقوق نہیں نکالتے ،ان کے لیئے سخت وحید آئی ہے۔ ہر صاحب نصاب مسلمان پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ:

توخذ من اغنیاء هم فترد علی فقراءهم(۴۵)

"ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔"

پھر اسے محض ایک خیرات نہیں بلکہ "حق" قرار دیا گیا۔

﴿وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ﴾(۴۶)

"اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔"

یہ حق حکومت کو وصول کرنا ہے اور حقداروں تک پہنچانا ہے۔

﴿خذ من اموالهم صدقة﴾ (۴۷)

"اے نبی ﷺ) ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجیے۔"

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان تمام افراد کی کفالت کا بندوبست کرے جو مجبور ہوں اپاہج ہوں، لاچار ہوں، یا رزق سے محروم رہ گئے ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

من مات و عليه دين و لم يترك وفاء فعل قضائه و من ترك مالا فلورثته(۴۸)

"جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو اور وہ اسے ادا کرنے کے قابل مال نہ چھوڑے تو اس کا ادا کرنا میرے (اسلامی ریاست کے) ذمہ ہے۔ اور جو مال چھوڑے اس کے وارثوں کا حق ہے۔"

فأيّما مؤمن ترك مالا فليرثه عصبته من كانوا فإن ترك دينا أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه.من ترك دينا أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه (۴۹)

"جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا حق اور اگر قرض چھوڑے یا ایسے پسماندگان چھوڑے جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا سرپرست ہوں (یعنی اسلامی حکومت اس کی ذمہ دار ہے۔"

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرہ (عراق) کے غیر مسلموں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ صراحت موجود تھی کہ جو شخص بوڑھا ہو جائے گا یا جو کسی آفت کا شکار ہو گا یا مفلس ہو جائے گا اس سے جزیہ وصول کرنے کے بجائے مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی مدد اور اس کے کنبے کی کفالت کی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قیم ان تمام آیات واحادیث وآثار کی روشنی میں علماء کا یہ اصول بیان فرماتے ہیں:

کہ حکومت جس طرح اس شخص کی وراث ہوتی ہے جس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اسی طرح وہ اس کا قرض اداء کرنے کی بھی ذمہ دار ہے، جبکہ وہ قرض کی ادائیگی کے لیئے کوئی شے چھوڑے بغیر مر جائے۔ نیز وہ اس کی زندگی میں اس کی کفالت کے لیئے بھی ذمہ دار ہو گی جبکہ کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو (50)

علامہ ابن حزم یہ اصول بیان فرماتے ہیں کہ:

"ہر بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقیر و غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فئے (بیت المال کی آمدنی) سے اُن غربا کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ اُن کی ضروری حاجات کے مطابق

روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیئے گرمی و سردی دونوں لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیئے ایک ایسا مکان ہو جو اُن کو بارش، گرمی، دھوپ و سیلاب جیسے حوادث سے محفوظ رکھ سکے"۔ (51)

یہ نظام اپنی معیاری شکل میں مسلمانوں نے قائم کیا اور یہ چیز اسلامی ریاست کی اہم خصوصیت کو متعین کرتی ہے۔

اسلامی ریاست دنیا کی دوسری ریاستوں سے بڑی مختلف ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام عوام کی کفالت کی کوئی ذمہ داری نہیں لیتا۔ معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اس کی لیئے کوئی سہارا نہیں۔ کشمکش حیات میں اس کے لیئے مٹ جانا ہی مقدر ہے۔ سعی وجہد اور مواقع کی مساوات بھی اس نظام میں معدوم ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امیر کے امیر تر ہونے کے امکانات تو ہر طرف موجود ہیں لیکن غریب کے لیئے غربت کے چکر سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اس نظام میں ظلم اور استحصال کی نت نئے طریقے اختیار کیئے جاتے ہیں اور غیر منصوبہ بند معاشی دوڑ پوری سوسائٹی کو عدم استحکام اور افراط و تفریط کے چکر میں گرفتار کر دیتی ہے۔ اسلامی ریاست ایک منصفانہ معاشی اصول پر عمل کرتی ہے اور وہ سب کو مساوی مواقع دینے کے ساتھ ساتھ ایک ہمہ گیر پیمانے پر گرتوں کو تھامنے کا کام بھی انجام دیتی ہے۔

نیز جدید طرز کی ایک مخلوط اور فلاحی ریاست سے بھی یہ مختلف ہے کہ اس میں سماجی خدمات اور بنیادی کفالت ایک حق کے طور پر کی جاتی ہے محض سیاسی احتجاج کا منہ بند کرنے کے لیے نہیں۔ یہاں اس کا حصول مطالبات اور احتجاجات پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ ایک بنیادی اصول ہے جسے ہر قیمت پر اور ہر حال میں یہ نظام پورا کرتا ہے۔ یہ سارا کام جبر اور رسہ کشی کے ساتھ نہیں بلکہ دلی تعاون اور جذبہ عبادت کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں صرف معیار زندگی ہی کو بلند نہیں کیا جاتا بلکہ معیار اخلاق کو بھی بلند کیا جاتا ہے۔ یہ ایک انقلابی تصور ہے جو موجودہ دور کے تمام معاشی تصورات سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور بہتر ہے اور اخلاقی اور دنیاوی دونوں حیثیتوں سے بہت اونچا ہے۔

7۔ ریاست کا معلمانہ اور داعیانہ کردار:

اسلامی ریاست کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سپرد محض معاشی کفالت کی ذمہ داریاں ہی نہیں ہیں بلکہ اخلاقی تعلیم اور تہذیب و تمدن کی ترویج بھی اس کے ذمے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں" وہ ریاست جو آپ ﷺ کی نیابت کرتی ہے اپنے شہریوں کی بالخصوص اور تمام انسانوں کی بالعموم تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی کرتی ہے، اور پوری دنیا کے لیے حق کی شاہد اور اسلام کی علم بردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن أنس بْنِ مَالِكٍ قَالَ :عن النبيِّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّم أنه قالَ : طَلَبُ العِلْمِ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ (52)

"علم کا حصول ہر مرد و عورت پر فرض ہے"

آپ ﷺ نے اس فریضے کی بجاآوری کے لیے ہر ممکن سہولت فراہم کی۔اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ غزوہ بدر میں کفار کے جو قیدی گرفتار ہوئے ان میں سے بعض تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ آپ ﷺ نے یہی قرار دیا کہ مسلمانون کے کچھ بچوں کو لکھنا پڑھنا سیکھادیں۔ بعض لوگوں کے لیے آپ ﷺ نے دوسری قوموں کی زبانیں سیکھنے کا اہتمام کیا تاکہ بین الاقوامی معاملات کے سلسلے میں وہ حکومت کو اپنی خدمات سے فائدہ پہنچا سکیں۔ بالغ عوام میں تعلیم کو پھیلانے کے لیئے آپ ﷺ مختلف مقامات پر وقتاً فوقتاً تعلیمی و تبلیغی وفود بھیجتے رہتے تھے۔ مسجد نبوی کے باہر ایک چبوترہ تھا جسے "صفہ" کہتے ہیں اور جو اسلام کا پہلا مدرسہ بنا۔ یہاں سے تربیت دے کر لوگوں کو پورے عرب میں تعلیم کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ مدینے سے باہر کے مسلمانوں کے لیے یہ قاعدہ تھا کہ ان میں سے ہر گروہ کے لوگ اپنے میں سے باصلاحیت افراد کو مدینہ بھیجتے جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے اور واپس جا کر اپنے اپنے علاقے میں تعلیم پھیلاتے ۔ باہر سے جو وفود آپ ﷺ کے پاس آتے آپ ﷺ اُن میں سے ذہین اور باصلاحیت لوگوں کو اُن کی قوم کی تعلیم پر مقرر کرتے۔ جن لوگوں کو سرکاری عہدوں پر مقرر فرماتے اُن کو علم پھیلانے کی ہدایت دیتے۔ مثلاً جب آپ ﷺ عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بنایا تو سب سے پہلے یہ ہدایت دی کہ :

"وہ حق پر قائم رہیں جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے، اور لوگوں کا بھلائی کی خوش خبری اور حکم دیں اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان میں اس کی سمجھ پیدا کریں اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکیں اور لوگوں کی دل داری کریں یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی جانب مائل ہو جائیں"(53)

تعلیم کی اہمیت اور اُس کی قدر و قیمت کو بڑھانے کے لیے سوسائٹی کے ہر شعبے میں شرف واعزاز کا معیار علم کو قرار دیا گیا اور مسجد کی امامت سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ داروں تک کے تقرر میں جس چیز کو سب سے پہلے دیکھا جاتا تھا وہ قرآن وحدیث کا علم ہے۔ پوری اسلامی مملکت میں بے شمار افراد کو اس کام پر مقرر کر دیا گیا تھا کہ لوگوں میں پھیل جائیں اور ان کی تعلیم کا کام انجام دیں اور یہ اسی تعلیم کا فیض تھا کہ ایک طرف دین کا علم شہر شہر، قریہ قریہ، محلہ محلہ اور گوشے گوشے میں پہنچا اور دوسری طرف اسلامی ریاست کو ہر موقع پر ایسے، باصلاحیت اور سمجھ دار کارکن میسر آتے گئے جو زندگی کے ہر شعبے کی قیادت کر سکیں۔

مسلمانوں کی پوری تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ :

- تعلیم کو ہمیشہ غیر معمولی اہمیت دی گئی اور حکومت اور اہل ثروت نے اس کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ یہ ریاست کی ذمہ داری تھی کہ تمام شہریوں کے لیئے ضروری اور بنیادی تعلیم کا انتظام کرے۔
- تعلیم کے نظام میں اولین اہمیت علوم دین کو دی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمام علوم کی ترویج کی گئی جو دفاع دین، اور قیام حیات کے لیے ضروری ہیں۔ نیز فضول اور لغو مضامین سے اجتناب کی کوشش کی گئی۔
- تعلیم ہر دور میں مفت رہی ہے۔ مسلمانوں نے ایک دن کے لیے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کو بھی فیس کے ساتھ وابستہ نہیں کیا۔ علم اور اونچے سے اونچے درجے کے علم کے دروازے ہر شخص کے لیئے بلا فیس کھلے رہے۔
- تعلیم کے ساتھ کردار سازی اور اخلاقی تربیت ایک جزو لاینفک کی طرح موجود رہی۔

پھر یہ ریاست صرف اپنے شہریوں ہی کی تعلیم کا بندوبست کر کے مطمئن نہیں ہو جاتی بلکہ پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو اپنے قول و عمل اور مثال سے پیش کرتی ہے اور امت کا یہ فرض مقرر کیا گیا ہے کہ:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۵۴)

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہیں جو نیکی کی طرف بُلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔"

اسلامی ریاست ایک معلم کی طرح ہے اور اپنے تمام شہریوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی کرنا ہے اور دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو پیش بھی کرنا ہے۔ اس طرح یہ ریاست ایک طرف لوگوں کے معیارِ علم و اخلاق کو بلند کرتی ہے اور دوسری طرف ایک عالم گیر پیغام کی داعی ہے۔ یہ تربیت کے کسی تنگ نقطہ نظر سے وابستہ نہیں اس کی دعوت تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس پہلو سے یہ ریاست بالکل منفرد ہے۔

خلاصہ بحث:

- حاکمیت الٰہی کا وہ اُصول جو ریاست اسلامی کا سنگ بنیاد ہے اور اس کے تمام ادارات کا جامع اور انھیں باہم مربوط کرنے والا ہے، اس کی بنیاد اس اصول پہ ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے اور وہی انسانیت کے لیے شریعت و قانون وضع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اسلام کے پورے اجتماعی نظام کی عمارت اس نظریۓ پہ قائم ہوتی ہے جبکہ دوسرے سارے نظام اس اصول پہ مبنی ہیں کہ حاکمیت انسان کی ہے اور وہ اپنے لیے قانون اور شریعت وضع کرنے کا مجاز ہے۔ یہ دونوں اصول ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے اسی لیے اسلامی نظام دوسرے نظام اپنے مختلف وممتاز ہے

- اسلام میں قانون حکومت و ریاست پہ فوقیت رکھتا ہے۔ حکومت خدا کے قانون کی پابند اور تابع ہوتی ہے۔ ریاست مطلق العنان نہیں بلکہ یہ اپنے اختیارات اللہ تعالیٰ کے قانون سے حاصل کرتی ہے اور اس اصول اطاعت و وفاداری پہ کاربند رکھتی ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہر اطاعت سے بالاتر ہے ہر شخص کی بنیادی وفاداری شریعت سے ہے اور ریاست کی وفاداری اس وقت تک لازمی ہے جب تک وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی وفادار ہے۔
- مسلمانوں کے اولامر اصحاب اختیار واقتدار جو ریاست اور اس کے اداروں اختیارات اور پالیسی پر عمل درآمد کے ذمہ دار ہوں وہ مسلمانوں میں سے ہی ہونے چاہیں۔ اس لیئے اسلامی ریاست کے کلیدی مناسب مسلمانوں کے پاس ہی ہونے چاہیں۔ اولی الامر کی اطاعت مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ ریاست و حکومت کا انتظامی سسٹم بہتر انداز میں چلے اور بے وجہ اس میں خلل واقع نہ ہو۔ لیکن اوالامر کی یہ اطاعت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہوگی۔ ان کے کسی ایسے حکم کی اطاعت نہیں کی جاسکتی جو نظریہ و قانون شریعت کے خلاف ہو۔
- اسلامی ریاست میں اس بات پر پوری توجہ دی جاتی ہے کہ حکومت کے عہدوں، مناصب پر ایسے خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا جائے جو اسلام کی روح سے واقف دین کے مزاج شناس، صبر و قناعت کے پیکر، تجربہ کار اور تربیت یافتہ ہوں۔
- اسلامی ریاست کی اہم انفرادیت یہ ہے کہ یہ ایک شورائی ریاست ہے اس میں تمام انسان برابر ہیں، رنگ و نسل، حسب و نسب کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ وحدت آدم اور مساوات و حریت اس کی بنیادی اصول ہیں۔ ارباب امر تمام امور سلطنت باہم مشورے سے طے کرتے ہیں۔
- اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارہ کرتا ہے اور نہ ہی شہنشاہیت کو، اس کا مزاج خاص جمہوری اور شورائی ہے۔ اسلامی نظام حکومت کے اس بنیادی اصول کا طرہ امتیاز ہے کہ اس میں ہر ایک کو اختلاف و تنقیدہ کا حق ہے لیکن یہ تہذیبی دائر میں اور اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔ اور جب معاملات و امور کے بارے میں بحث و تمحیث کے بعد باہمی مشاورت سے اجتماعی رائے کی بنیاد پر فیصلہ ہو جائے تو پھر اس فیصلے کی تنفیذ کے دوران کسی کو تنقید و اختلاف اور اس عمل درآمد میں خلل کا حق نہیں ہے۔
- اسلامی ریاست کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک فلاحی اور خادم ریاست ہے۔ اسلام کی نگاہ میں حکومت کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ امن و امان قائم کرے اور ملکی دفاع کی خدمات انجام دے، بلکہ اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی اور فطری مساوات قائم کرے، ان تمام رکاوٹوں کو دور کرے جو سعی وجہد اور مساوات کی راہ میں حائل ہیں اور اپنے تمام شہریوں کی، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، بنیادی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دے۔ اگر اسلامی ریاست کی

حدود میں کہیں بھی فقر و فاقہ، غربت وافلاس اور ظلم وجور ہے تو اس کا قلع قمع کرے اور اپنی تمام قوتیں ان انسانی مسائل کو حل کرنے کے لیئے وقف کر دے

- اسلامی ریاست کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سپرد محض معاشی کفالت کی ذمہ داریاں ہی نہیں ہیں بلکہ اخلاق تعلیم اور تہذیب وتمدن کی ترویج بھی اس کے ذمے ہے، اپنے شہریوں کی بالخصوص اور تمام انسانوں کی بالعموم تعلیم وتربیت کا بندوبست بھی کرتی ہے، اور پوری دنیا کے لیے حق کی شاہد اور اسلام کی علم بردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح یہ ریاست ایک طرف لوگوں کے معیارِ علم واخلاق کو بلند کرتی ہے اور دوسری طرف ایک عالم گیر پیغام کی داعی ہے۔ یہ تربیت کے کسی تنگ نقطہ نظر سے وابستہ نہیں اس کی دعوت تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس پہلو سے یہ ریاست بالکل منفرد ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱- ابن منظور افریقی، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دار الصادر بیروت، لبنان، ۱۹۵۶ء، ص ۹۲ -۹۱

۲. Joseph, Shipley T. Dictionary of word Origions, Philosophical Lib, New York,۱۹۴۵, p.۳۳۴.

۳ . William Little, H.W.Fowler J. Coulson, the Shorter OXFORDENGLISH dictionary.The Calrendon Press ,London,۱۹۶۵,p.۲۰۵.

۴. Bluntchli, Johann Kaspar, The Theory of the state , London ۲۰۰۰, p:۵۲

۵. Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol.۱۴,p: ۳۲۸

۶۔ ابو النصر محمد الفارابی، آراء اہل مدینہ الفاضلہ، ط/المطبع السعادۃ مصر ۱۹۰۶ء، ص ۲۶

۷- شاہ ولی اللہ ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغہ، بیروت لبنان، ص ۱/۴۴

۸۔ مودودی، سیّد ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷

۹. Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol.۱۴,p: ۳۲۹

۱۰. W.garner, Political Science and government, World Press Ltd. Calcutta ۱۹۵۵, p:۴۹

۱۱۔ الاعراف:۷/۵۴

۱۲۔ سید مودودی، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۹۲ء، ص۹

-۱۳ سید قطب، العدالۃ الاجتماعیہ، ص ۵۴۲

-۱۴ الاصفہانی، راغب، مفردات القرآن،، ص ۲۰۳

-۱۵ الغزالی، التبر المسبوک فی نصائح الملوک، ص ۸۔۲

-۱۶ الاعراف: ۷ /۵۴

-۱۷ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، سید نذیر نیازی، بزم اقبال لاہور، ص ۹۱۲

-۱۸ راغب، مفردات القرآن، ص ۲۰۳

-۱۹ ایضا

-۲۰ الماوردی، احکام سلطانیہ، ص ۲

-۲۱ الغزالی، البر المسبوک فی نصائح الملوک، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۸۸، ص ۹

-۲۲ ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، ص ۳

-۲۳ الاعراف: ۷/۵۴

-۲۴ نیازی، سید نذیر، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال لاہور ص ۱۹۰

-۲۵ علامہ اقبال، کلیات، اقبال اکادمی لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۲۹۰

-۲۶ الحج: ۲۲/ ۴۱

-۲۷ الحدید: ۵۸ / ۲۵

-۲۸ امام احمد، المسند، احمد، ۴ / ۳۶۹

۲۹۔ البخاری، الجامع الصحیح، رقم: ۳۹۶۵، ۵/ ۲۰۱- مسلم، الجامع، ۸/۵۴، رقم: ۳۱۹۶

-۳۰ مسلم، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الامارہ، رقم: ۳۴۵۳

-۳۱ النساء: ۴/۵۹

-۳۲ الطبرانی، المعجم الأوسط، ۴/۱۸۱

۳۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم: ۶۶۳۸

۳۴۔ النساء: ۴/ ۵۸

۳۵۔ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

۳۶۔ مسلم، جامع الصحیح، کتاب الامارہ، رقم: ۳۴۰۸

۳۷۔ ابن تیمیہ، مجموعہ الفتاویٰ، ۶۱/۲۸۔۶۶

۳۸۔ الشوریٰ: ۴۲/ ۳۸

۳۹۔ ابن حبان، ابی حاتم محمد بن حبان، الصحیح، مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۹۹۳، ۲۱۷/۱۱

۴۰۔ ابن عطیہ الاندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز (تفسیر ابن عطیہ) ۴/ ۲۴۹

۴۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۴/ ۱۱۳

۴۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الاداب المفرد، ص ۵۳

۴۳۔ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال، مکتبۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۵، ۱۳۹/۴، ۱۳۴۱

۴۴۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ، ۱۹۹/۳

۴۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، ۲۶۷/۲

۴۶۔ الذاریات: ۵۱ / ۱۹

۴۷۔ التوبہ: ۹/ ۱۰۳

۴۸۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۲۳۴/۲

۴۹۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، ج ۳ ص ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹۔ ترمذی، السنن، کتاب الفرائض، ۴/ ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

۵۰۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۱ / ۵۷

۵۱۔ ابن حزمؒ، محلّٰی، ص ۱۵۷

۵۲۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ القزوینی الربعی، السنن، رقم: ۲۲۴ ۔ وقال البیہقی: متنہ مشہور وإسنادہ ضعیف ۔ فقد صححہ الألبانی فی صحیح الترغیب والترہیب ص ۳۴

۵۳۔ ابن ہشام، سیرت، ۲۴۱/۴

۵۴۔ ال عمران: ۳ / ۱۰۴